ایم ۔ خالد فیاض
شعبہء اُردو، یونیورسٹی آف گجرات
گجرات

عزیز حامد مدنی کی فیض شناسی

Aziz Hamid Madni is a well known modern poet . He is recognized not only as a famous urdu poet but a good critic. His most valuable work in criticism is "Jaded Urdu Shaire",in two volumes. Other than that , his remarkable work on Faiz Ahmad Faiz is "Aaj Bazar Mein Pa ba Jolan Chalo". In this artical , there is an analytical study of his work.

جدید اُردو شاعری میں عزیز حامد مدنؔی کا نام ایک معتبر حوالہ ہے۔ اگرچہ انہیں ادبی دنیا میں وہ مقام اور مرتبہ نہیں مل سکا، جس کے وہ حق دار تھے مگر آج بھی صاحبِ نظر نقاد، عزیز حامد مدنؔی کی شاعرانہ حیثیت کا اعتراف کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مدنؔی ، جدید اُردو شاعری کے اُن چند شعرا میں شامل ہیں جو اپنی فکر اور منفرد اسلوب کی وجہ سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اسی لیے جدید شاعری کے ایک اہم نقاد، حمید نسیم نے انہیں نہ صرف فیضؔ ، راشدؔ، میرا جؔی اور ضیا جالندھرؔی کے ساتھ پانچویں جدید شاعر کے طور پر اپنے وسیع اور عمیق مطالعے کا مرکز و محور بنایا بلکہ انہیں ''شاعرِ فردا'' (۱) بھی قرار دیا۔

عزیز حامد مدنؔی جہاں ایک طرف جوشؔ سے متاثر ہیں اور اُن کے ابتدائی کلام پر جوشؔ کے واضح اثرات دیکھے بھی جا سکتے ہیں، وہاں وہ فیضؔ کی شاعری کو بھی بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ اُن کے مداح بھی ہیں اور قدر شناس بھی۔ مدنؔی کو فیضؔ کا جونیئر ہم عصر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ فیضؔ کی شاعری پر یوں تو اُن کے ہم عصر شعرا نے کسی نہ کسی قدر اظہارِ خیال کیا مگر عزیز حامد مدنؔی اس حوالے سے اُن سب شعراء پر سبقت لے گئے کہ فیضؔ پر جس طرح بھرپور اور مربوط اظہارِ خیال انہوں نے کیا ہے وہ دیگر معاصر شعراء میں شاید ہی کسی اور کے حصہ میں آیا ہو۔ انہوں نے چند فقرے یا چند صفحات لکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فیضؔ کی شاعری کو تاریخی ، سیاسی اور سماجی پس منظر میں رکھ کر، ایک تواتر اور تسلسل میں سمجھنے اور سمجھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی اس تنقیدی تحریر نے ایک پوری کتاب کا روپ دھار لیا جو بعد میں '' آج بازار میں پابہ جولاں چلو'' کے عنوان سے منظرِ عام پر آئی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب ایک ایسے شاعر کا حاصلِ مطالعہ ہے جو زیرِ مطالعہ شاعر کو قدر اور تحسین کی نگاہوں سے دیکھتا اور پرکھتا ہے لہٰذا ہم اگر اس مطالعے کو عزیز حامد مدنؔی کا سپاس نامہ قرار دیں تو یہ غلط نہ ہوگا، لیکن یہ بھی درست ہے کہ مدنؔی کے اس مطالعہ میں مبالغہ آمیز (Superlative) الفاظ اور انداز سے گریز ملتا ہے اور بے جا عقیدت کا شائبہ

نہیں ہوتا، جیسا کہ عمومی طور پر فیض کی تحسینی تنقید کا مجموعی رویہ ہے۔ دوسرا یہ کہ مدنی نے فیض کے کچھ نئے گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور جو گوشے منوّر تھے، اُن پر کسی قدر نئے انداز اور زاویے سے نگاہ کی ہے۔

مثال کے طور پر ''مماثل ذہن'' کے عنوان سے فیض کی فکر کا مطالعہ، مدنی نے منفرد انداز سے کیا ہے۔ انہوں نے ''مماثل ذہن'' کو ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے اور اُس سے مراد یہ لی ہے کہ فیض کے عہد میں، پوری دنیا میں، ایک ایسی عالم گیر فکری لہر جاری و ساری تھی جو باوجود مختلف ثقافتوں اور علاقوں کے، ایک جیسی ذہنیت کو فروغ دینے میں معاون تھی۔ اس عالم گیر فکر کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے مدنی لکھتے ہیں:

> ''معیاری تحصیلِ علم کے بعد، ایک سے ذہن، آزاد ملکوں اور کالونیل علاقوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ ان کی روایات الگ الگ تھیں، مگر وہ ایک عالمی فکر کے دائرے میں زندگی کے کئی شعبوں میں ایک سے معیار سے سوچ سکتے تھے۔ ایک سی سوچ کئی وجوہ کی بنا پر تھی، عالمی سیاست کے تغیرات، سائنس اور ٹیکنالوجی کی فراہم کردہ سہولت سے معاشرے میں ایک سی سطح کا قائم ہونا اور سوشلزم کے فلسفے کی بنیاد پر ایک نئی دنیا کا خواب دیکھنا۔'' (۲)

اصل میں انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی فکر نے عالم گیر، فکر کی صورت اختیار کر لی تھی اور اس سے صرف ہمارے ہاں ہی نہیں بلکہ عربی اور فارسی زبانوں کے ادب میں بھی تغیر آ گیا تھا۔ اس مغربی فکر نے، باوجود الگ الگ جغرافیائی حدود کے، سارے مشرق کی فکر کے اسلوب اور لفظیات کو بدل ڈالا، جس کی وجہ سے ساری دنیا کے ادب میں جدید خیالات کے فروغ میں مماثلت دکھائی دینے لگی۔ اُردو میں خاص طور پر ترقی پسند شعراء نے اس مماثلت کی نمائندگی کی۔ اس لیے مدنی کا یہ کہنا بجا ہے کہ ''فیض کی شاعری ایک نئے ذہن، ایک نئی آگہی کی شاعری ہے جس کی مماثلت دوسری زبانوں کے شعراء کے یہاں ملے گی۔'' (۳) مدنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے فیض کی نظموں کا آڈن اور آراگون کی نظموں سے تقابل پیش کرتے ہیں جہاں ہمیں اس مماثلت کا شدید احساس ہوتا ہے اور یوں مدنی، فیض کو ''مماثل ذہن'' کا حامل شاعر قرار دیتے ہیں۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عالمی فکر، مقامی روایات کے ساتھ آمیز ہو کر ہی بامعنی تخلیق کا جزو بنتی ہے، کیوں کہ جو فکر بھی ادب کا حصہ بنتی ہے وہ اُس ادب کی زبان اور محاورے کے ذریعے ہی اظہار پاتی ہے اور ہر زبان کی اپنی روایت اور تاریخ ہوتی ہے جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ فیض نے جہاں ایک طرف عالمی فکر سے اپنا تخلیقی رشتہ استوار کیا، وہاں دوسری طرف مشرقی روایت کو بھی اپنی تخلیق میں سمویا۔ اسی لیے مدنی لکھتے ہیں:

> ''کسی بھی زبان کی شاعری کا رُخ باہر کی طرف نہیں ہوتا، وہ اپنے معاشرے سے پیوستہ ہو کر ہی قوت پاتی ہے۔ فیض کا کلام اپنے حسنِ معنی میں اسی بات کا مظہر ہے۔ اچھے ذہنوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ مماثل ذہن کی آگہی کو اپنے ہی مواد سے پیوستہ کر کے نئے محاورے اور نئے نقش میں منتقل کریں ۔۔۔ (لہٰذا) اُن (فیض) کی تخلیقات نے اپنی تاریخ اور روایات میں مل کر شعر کو ایک نیا مزاج دیا۔'' (۴)

فیض کے ہاں مشرقی اور مغربی روایت کے ادغام کی گواہی جہاں ان کے کلام سے ملتی ہے وہاں دیگر ناقدین بھی

اس بات پر متفق ہیں مثلاً آفتاب احمد کا اس ضمن میں کہنا ہے: ''دراصل فیض ہمارے اُن چند جدید شاعروں میں سے ایک ایسے شاعر ہیں جو مشرق ہی کی نہیں مغرب کی ثقافتی اور ادبی روایت کے منتخب اور بہترین اجزا کو بھی اپنے اندر جذب کیے ہوئے تھے۔'' (۵) اس میں شک نہیں کہ فیض نے مغربی فکر سے جڑے ہونے کے باوجود راشد یا مجید امجد کی بہ نسبت، اُردو کی شعری روایت سے اپنا ناتا زیادہ مضبوطی سے قائم رکھا۔ حتٰی کہ خواجہ محمد زکریا نے فیض کی عوامی مقبولیت کا پہلا عنصر اسی اُردو روایت سے اُن کی وابستگی کو قرار دیا ہے اور کسی قدر طنزیہ پیرائے میں لکھتے ہیں: ''اب رہ گئے فیض۔ خوش قسمتی سے فیض اُن تمام شعراء (راشد، مجید امجد اور میرا جی مراد ہیں) کے مقابلے میں اُردو شاعری کی روایت سے زیادہ قریب ہیں۔'' (۶) مدنی نے فیض کے ہاں اُردو شعری روایت کو مثبت حوالے سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ فیض کی نظم ''شورشِ بربطِ و نے'' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وہ ہمارے اصناف سخن کے پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ دروبستِ الفاظ، اسلوب، بحر و آہنگ سب ہماری روایات کی اچھی مثالیں ہیں۔ عنوان تک حافظ کی غزل کی یاد دلاتا ہے۔'' (۷)

فیض کی اس نظم کو سامنے رکھیں تو مدنی کی رائے صد فی صد درست دکھائی دیتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ مدنی کا تجزیہ، متن کی **Close Reading** کا نتیجہ ہے۔ اس کے لیے مندرجہ بالا فیض کی نظم کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ دیکھیے:

''گر ہے یہی مسلکِ شمس و قمر، ان شمس و قمر کا کیا ہو گا
رعنائی شب کا کیا ہوگا، اندازِ سحر کا کیا ہو گا
جب خونِ جگر برفاب بنا، جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں
اس دیدہء تر کا کیا ہو گا، اس ذوقِ نظر کا کیا ہو گا
جب شعر کے خیمے راکھ ہوئے، نغموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں
یہ ساز کہاں سر پھوڑیں گے، اس کلکِ گہر کا کیا ہو گا
جب کنجِ قفس مسکن ٹھہرا اور جیب و گریباں طوق و رسن
آئے کہ نہ آئے موسمِ گُل، اس دردِ جگر کا کیا ہو گا'' (۸)

لیکن روایت سے وابستگی کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ فن کار، عصری تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دے۔ مدنی یہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ روایت تب ہی زندہ رہتی ہے جب تخلیق کار عصری تقاضوں کو نبھانے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے ورنہ روایت جامد اور مردہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس بنا پر فیض کی شاعری سے لطف اٹھاتے ہیں۔ بقول اُن کے ''فیض کا کلام سماجی ادراک اور روایات کے اتصال سے ایک نیا لطفِ سخن بہم کرتا ہے۔'' (۹)

فیض کا ڈکشن (لفظیات) بھی اپنی روایت سے مضبوط رشتہ کا کُھلا ثبوت ہے اور گوپی چند نارنگ کا یہ کہنا درست ہے کہ ''فیض کی تمام لفظیات فارسی اور کلاسیکی شعری روایت کی لفظیات سے مستعار ہے۔'' (۱۰) مگر یہ بھی درست ہے کہ فیض نے پرانی لفظیات کو نئے معانی عطا کر کے اُس میں انقلاب برپا کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے نئے معنیاتی نظام کو وضع کرنے کے لیے نئے الفاظ و تراکیب استعمال کرنے کے بجائے پرانے الفاظ کو نئے مفاہیم دے کر زندہ و جاوید بنا دیا۔

یعنی بظاہر انہوں نے پرانی لفظیات استعمال کی مگر بلاشبہ " ہر عظیم شاعر کی طرح فیضؔ نے اسلوب اور موضوعات کے علاوہ الفاظ وتراکیب و استعارات وتشبیہات میں بھی اجتہاد کیا ہے۔" (۱۱) اور یہ اُن کی شاعری کا ایک بڑا فنی کمال ہے۔ اسی لیے مدنیؔ نے فیضؔ کی اس شاعرانہ خصوصیت سے صرفِ نظر نہیں کیا۔ لکھتے ہیں :

" دوسرا اہم نکتہ انہی الفاظ کو جو استعمال ہوتے رہتے ہیں نئی معنویت دینے کا ہے۔ عصری فکر کو انہی الفاظ سے پیوستہ کرنے کی سعی ہے۔ کھیتوں میں فصل اُگا کرتی تھی اب 'بھوک' اُگا کرتی ہے۔۔۔الفاظ کے معنی میں وسعت پیدا کرنا یا اُن کا رُخ بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس تاریخ کے بہاؤ سے ایک عہد سے دوسرے عہد میں آتے ہیں تو اُن کے گرد ایک نئے سماجی شعور کا حلقہ بھی پیدا ہوگیا ہے اور اس واسطے سے وہ نئے علائق سے وابستہ ہوکر تہہ دار ہوگئے ہیں۔" (۱۲)

مدنیؔ نے اپنے اس مطالعے میں، فیض احمد فیضؔ کی نظموں کے خاطر خواہ تجزیے کیے ہیں جن میں ندرت کا احساس اور ایک شاعر کا ادراک موجود ہے۔ خاص طور پر " مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ"، " اے دلِ بے تاب ٹھہر"، " میرے ہمدم میرے دوست"، " صبحِ آزادی"، " شورشِ بربط و نے"، " یاد"، " ملاقات"، " دو عشق"، " شیشوں کا مسیحا"، " ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے"، " تنہائی"، " کوئی عاشق کسی محبوبہ سے"، " جس روز قضا آئے گی" اور " اے شام مہرباں ہو" جیسی نظموں کے بھرپور تجزیے کیے گئے ہیں اور ان مشہور نظموں کے مطالعے کے بعد مدنیؔ ،فیضؔ کے طریقِ کار اور تکنیک کے بارے میں جن الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اس سے نہ صرف جدید نظم کے بارے میں اُن کی تکنیک شناسی کا پتہ چلتا ہے بلکہ نظم کے جدید فن پر اُن کی نظر کس قدر گہری ہے، اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

" اُن کے کلام کے اس حصے میں جو باہر کی شعری فکر کی روشنی میں اسلوب ولفظیات کا ڈھنگ ہے وہ بھی دو طریقوں کا ہے اول نقشِ فریادی کے دوم حصے کی نظمیں اور وقفے وقفے سے دوسری کتابوں کی نظمیں بھی۔ کسی قدر تنظیمِ خیال اور تعمیری تصور کے مطابق احتیاط سے کہی ہوئی ہیں، معیّن شدہ خیال اور زبان کے جذباتی پہلو کا اتصال شعوری ہے۔ پوری بات کا نقشہ شاعر کے ذہن میں ہے اور اسی کے مطابق اس کی نمود ہے جیسے ' اے دلِ بے تاب ٹھہر'، 'شورشِ بربط و نے'۔ دوسرے طریقہء کار میں بادلوں کی طرح تیرتی ہوئی شبیہوں کے مختلف ٹکڑے ہیں جن میں غم ونشاط کی کسی حس سے جو لاشعور میں موجود ہے، ایک برق کی لہر سی دوڑ جاتی ہے اور پورا سلسلہء تعمیر سامنے آجاتا ہے جیسے ان کی نظم ' ملاقات' ۔ ان دونوں طریقہء کار سے ذہن مغرب کی تکنیک کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ اُنہوں نے اور اُن کے ہم عصروں نے ہماری شاعری میں اس طریقے کو برت کر ایک گراں بہا اضافہ کیا ہے۔" (۱۳)

مدنیؔ نے فیضؔ کی ایسی نظموں کی بھی نشان دہی کی ہے اور انہیں سراہا ہے جو روز مرہ گفتگو کے انداز میں لکھی گئی ہیں اور پھر بھی شعری آہنگ کی عمدہ مثال ہیں۔ اصل میں فیضؔ کی ایسی نظموں کی تخلیق میں ، فیضؔ کی ناظم حکمتؔ سے اُس ملاقات کا گہرا ہاتھ ہے جس میں دورانِ گفتگو ناظم حکمتؔ نے فیضؔ کی توجہ اس امر کی طرف دلائی کہ

''اصل میں ہر زبان کی روزمرہ بول چال کا اپنا ایک مخفی اور قدرے بکھرا ہُوا آہنگ ہوتا ہے جس پر پوری توجہ دی جائے تو اس سے کئی طرح کے مترنم صوتی خاکے اخذ کیے جا سکتے ہیں۔۔۔اگر تم کسی بوڑھے شہری یا دیہاتی داستان گو سے کوئی پرانا قصہ سنو تو اُس کی نثر میں بھی تمھیں اُس زبان کا آہنگ ملے گا۔ کوشش یہ ہونا چاہیے کہ اپنی زبان میں اُس کے فطری آہنگ و ترنم کے امکانات دریافت کر کے اپنے شعر کی لے اُن کے قریب لائی جائے۔''(۱۴)

فیضؔ نے جن نظموں میں ایسی کوشش کی، اُن میں ''اے شام مہرباں ہو'' سب سے اہم ہے۔ اس کے علاوہ ''اشک آباد کی شام''، ''مرے درد کو جو زباں ملے''، ''تم اپنی کرنی کر گزرو''، ''لینن گراڈ کا گورستان'' اور ''کچھ عشق کیا کچھ کام کیا'' بھی اس حوالے سے فیضؔ کی قابلِ ذکر نظمیں ہیں مثلاً ''کچھ عشق کیا کچھ کام کیا'' میں باتیں کرنے کا یہ سیدھا سادا انداز دیکھیے:

''ہم جیتے جی مصروف رہے   کچھ عشق کیا کچھ کام کیا
کام عشق کے آڑے آتا رہا   اور عشق سے کام اُلجھتا رہا
پھر آخر تنگ آ کر ہم نے!   دونوں کو ادھورا چھوڑ دیا''(۱۵)

مدنی، فیضؔ کی ان نظموں کے تناظر میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''گفتگو کے لب و لہجے میں جو لمحاتی وقفے آتے ہیں اُن سے اس نظم (''اے شام مہرباں ہو'') میں بھی ایک آہنگ پیدا ہوا ہے۔ فلسطینی بچوں کی لوری بھی اسی طرح کی ایک نظم ہے۔ اشک آباد کی شام، بہار اور کئی دوسری نظمیں گفتگو کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔ ساعت کے لیے ان بحور کا انتخاب کیا گیا ہے جو روزمرہ کی بول چال سے قریب ہیں۔ یہ نظمیں اُن کی اپنی بنائی ہوئی لفظیات اور اسلوب سے بھی الگ ہیں۔''(۱۶)

فیضؔ کی اعلیٰ شاعری کا معتدبہ حصہ، اُن کی اسیری کے دَور میں تخلیق ہُوا۔ اُردو میں اگر قید و بند کی شاعری کی تاریخ پر نگاہ دوڑائیں تو گو اس ضمن میں مسعوؔد سعد سلمان، خاقاؔنی اور غالبؔ کے نام بھی نظر آتے ہیں مگر بہادر شاہ ظفرؔ کے ایامِ اسیری کی غزلیات سب سے زیادہ دامنِ دل کو کھینچتی ہیں۔ ان میں درد و کرب اور سوز و ساز کی وہ لے ہے جو اُردو شاعری میں قید و بند کی اپنی مثال آپ کہی جا سکتی ہے۔ بعد میں حسرتؔ موہانی نے ایک نشاط انگیز کیفیت اور رجائی رنگ پیدا کر کے، قید و بند کی شاعری کو ایک اور جہت سے آشنا کیا۔ لیکن فیضؔ کی شاعری میں جہاں ایک طرف رجائی پہلو نظر آتا ہے، وہاں دوسری طرف درد و کرب کا احساس بھی موجود ہے۔ ایک طرف اُن کے آدرش اور انقلابی جہت نمایاں ہوتی ہے تو دوسری طرف نئے تجربے کا ادراک جلوہ گر ہوتا ہے۔ یوں فیضؔ کا لب و لہجہ دیگر شعراء سے یکسر مختلف نظر آتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ نے ''غبارِ خاطر'' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ''قید خانے کی چار دیواری کے اندر بھی سورج ہر روز چمکتا ہے۔'' (۱۷) فیضؔ کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بھی یہ سورج چمکا، جس نے فیضؔ کی خوابیدہ صلاحیتوں اور حسی قوتوں کو بیدار کر کے اُن میں نئی توانائی بھر دی اور اُن کے وجود کو ایک نئے تخلیقی وفور سے آشنا کیا۔ فیضؔ نے ایک جگہ اپنی اسیری کے تجربے کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''عاشقی کی طرح جیل خانہ بھی ایک بنیادی تجربہ ہے۔ جس میں فکر و نظر کا ایک آدھ دریچہ خود بخود

کُھل جاتا ہے۔'' (۱۸) جب ہم فیضؔ کی اس دور کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو بلاشبہ فکر و نظر کے زیادہ گہرے زاویے دیکھنے کو ملتے ہیں۔

مدنیؔ بھی فیضؔ کی اس دَور کی شاعری کو بہترین تخلیقی دَور کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس دَور کی نظموں کا اور بھی قدرے تفصیلی اور تجزیاتی مطالعہ کیا ہے۔ خاص طور پر ''شیشوں کا مسیحا''، ''نثار میں تری گلیوں کے''، ''دو عشق''، ''تمھارے حسن کے نام''، ''طوق و دار کا موسم'' اور'' ایرانی طلبہ کے نام'' جیسی نظموں کو مدنیؔ ، بڑی کیفیت کی نظمیں سمجھتے ہیں۔ وہ ان میں زندگی کا برتر ادراک اور جبر و استحصال کے خلاف پیکار کی فکری رَو کو دوڑتا محسوس کرتے ہیں۔ مدنیؔ یہاں فیضؔ کی نظموں کے جس پہلو پر قدرے نئے انداز سے روشنی ڈالتے ہیں وہ مدنیؔ ہی کی زبان میں پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

'' کچھ نظمیں تو زنداں کے در و دیوار کے ساتھ ایک منتظر کیفیت لیے ہوئے ہیں۔ اُن کی سطح خارجی ماحول کی تصویر کشی کی ہے۔ ان میں وہاں کی کولھو کے بیل کی طرح بے مصرف گردش کا احوال بھی ہے اور مناظرِ قدرت کی کسی جھلک سے انسان کے قدیم ترین رشتے کے جاگ اٹھنے کا ادراک بھی ہے۔ اس جگہ شاید یہ کہنا درست ہو گا کہ ان کے شعری تجربے کی ایک مدت ایسی گزری ہے کہ ٹھوس حقیقتوں کی پیکار میں ، معاشرتی زندگی کے بنتے بگڑتے خاکوں کے مصروف دنوں میں اس نظامِ اوقات میں جو زندگی گزارنے میں اہمیت اختیار کرتے ہیں، ان کو ان قدیم رشتوں کو استوار کرنے کی فرصت نہیں ملتی اور اب اس قیدِ تنہائی میں رات اور ستارے ، چاند اور اس کے طلوع و غروب کی کیفیت اور پو پھٹنے کا عالم، نیند کی اوس میں ڈھلے ہوئے چہرے اور زنداں کے معمولات میں کسی تالے کے جگر میں خنجر کا اترنا، سبھی چیزیں سامنے آ گئیں۔'' (۱۹)

ان نظموں میں مدنیؔ کو محبت کی خُوشبو بھی دِکھائی دیتی ہے اور فیضؔ کے نجی تعلقات بھی بیاں ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان نظموں میں دل و دماغ کو ماؤف کر دینے والی رات کا رڈ ہے اور آرزوئے زندگی پر اکسانے والے نغمے بھی ہیں، اس کے علاوہ وجود کی معنویت کا احساس دلانے والی امنگ بھی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ایسی نظمیں بھی ہیں جو شاعر کی یادوں کو اس قید و بند کی فضا میں شدید کرتی ہیں۔ خاص طور پر فیضؔ کی نظم ''یادؔ'' اس حوالے سے کسی فنی معجزہ سے کم نہیں ۔ لہٰذا مدنیؔ اس نظم کی تعریف میں لکھتے ہیں:

'' اسی دَور کی دوسری بے مثال نظم جو عہدِ جدید میں عشقیہ شاعری کا حاصل ہے'یادؔ' ہے ۔ اس میں انسانی جذبہءِ محبت کی شدتیں ، نفاستیں اور جسم و جاں کی جو گواہی ہو سکتی ہے اس قدر تخلیقی شبیہوں میں کہیں بھی اُن کے کلام میں نہیں آتی۔'' (۲۰)

فیضؔ کی شاعری کو بالعموم اُن کے سیاسی نظریات اور مارکسی آئیڈیالوجی کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے حتٰی کہ شمس الرحمٰن فاروقی ، فیضؔ کی غزل کے حوالے سے یہ تک کہہ جاتے ہیں کہ

'' اصل بات تو یہ ہے کہ چونکہ وہ انقلابی اور ترقی پسند وغیرہ تھے اس لیے ان کے کلام کو سیاسی معنی پہنانے میں ایک طرح کا لطف ہے۔ ورنہ یہ ہی شعر انہوں نے اگر دردؔ کے زمانے میں ، یا غالبؔ کے زمانہ میں

کیے ہوتے تو انہیں کوئی گھاس نہ ڈالتا۔" (۲۱)

اس طرح کے اعتراضات اس لیے اہمیت نہیں رکھتے کہ اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اگر سیاسی یا مارکسی موضوعات، شاعری کے واحد موضوعات نہیں ہیں تو یہ بھی صحیح ہے کہ شاعری کے لیے سیاسی موضوعات، ممنوعات کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ شرط صرف ادبی اور جمالیاتی قدروں کی ہے۔ اگر تخلیق کار نے فنی قدروں کی پاسداری کی ہے اور سیاسی موضوعات یا کسی آئیڈیالوجی کو فن پر غالب نہیں آنے دیا تو تخلیق کا احترام لازم ہے۔ تنقید، فنی مبادیات کے حوالے سے تو ہو سکتی ہے، محض موضوع کے حوالے سے نہیں یا پھر اُس صورت میں جب سیاسی یا اخلاقی قدریں، ادبی قدروں کو دباتی ہوئی محسوس ہوں۔ اسی لیے فریڈرک اینگلز نے ایک خط میں لکھا کہ "ایک ناول نگار جتنا بھی اپنے سیاسی خیالات کو پردے میں چھپا رکھے اتنا ہی فنی شاہکار کے لیے اچھا ہے۔" (۲۲) لہٰذا ایک باشعور ترقی پسند فن کار ادبی قدروں کی پاسداری ضرور کرتا ہے اور فیضؔ کے بڑے فنی شہکار اس کی مثال ہیں۔ لیکن انسانیت، سیاست یا سماج سے یکسر انقطاع کو ہی بڑی شاعری کا لازمہ قرار دیا جائے تو پھر فیضؔ پر گرفت بہت آسان ہے مگر کیا یہ اصول نقد جائز ہے؟ شرط صرف یہ ہے کہ فن کار سیاسی نظریات کو شدتِ احساس اور فنی تقاضوں کے تحت برتے اور تخلیقی حسن کو مجروح نہ ہونے دے۔ یہ احتیاط لازم ہے کہ فن، نظریے کا بھونڈا اور سطحی بیان بن کر نہ رہ جائے۔ فن کی جمالیاتی نزاکتوں کی پاسداری بہر حال فن کار کی اولین ترجیح ہے اور فیضؔ بحیثیت ایک فن کار، اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ بے شک وہ واضح سیاسی افکار رکھتے ہیں مگر وہ اُن افکار کو انسانی جذبات و احساسات کی بھٹی میں پگھلا کر انہیں شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں اور نظریے کی اس حد تک بالادستی سے گریز برتتے ہیں جس سے شعر کا جمالیاتی رنگ روپ مجروح ہو جانے کا خدشہ ہو۔ (یہ بات فیضؔ کی اعلیٰ تخلیقات کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور کسی بھی تخلیق کار کا مقام اعلیٰ تخلیق کی بنیاد پر ہی متعین ہوتا ہے) اس میں شک نہیں کہ "انہوں نے عصرِ حاضر کے معروضی اور ٹھوس حقائق کی آگہی اور سیاسی شعور کو ہمیشہ اپنی شاعری کی حسی اور جمالیاتی حدود میں پابند رکھا ہے۔" (۲۳) یہی وجہ ہے کہ فیضؔ کو اپنے دیگر ترقی پسند معاصر شعراء پر ادبی فوقیت حاصل ہے۔ لہٰذا عزیز حامد مدنی اسی بنا پر ابتدا میں ہی فیضؔ کو ان الفاظ میں سراہتے ہیں۔ "فیضؔ ہمارے عہد کے ممتاز ترین شاعر تھے۔ اُن کی شاعری کا معیار ایک اپنی آگہی، ایک اپنی فکری فضا اور ایک تازہ نفس بے بدل گویائی کے لحاظ سے دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے ہم عصر شعراء میں بھی اپنا جادو رکھتا ہے۔" (۲۴)

آگے چل کر مدنی، فیضؔ کی نظموں کے تجزیاتی مطالعوں میں اُن کی ادبی اور فنی قدروں کو جس طرح اجاگر کرتے چلے جاتے ہیں اُس سے ایک طرف فیضؔ کی فنی اور جمالیاتی حیثیت نمایاں ہوتی ہے اور دوسری طرف اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ فیضؔ کے سیاسی اور مارکسی افکار، مدنی کو، کہیں بھی فنی قدروں کو مجروح کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

حوالہ جات

۱۔ حمید نسیم: "پانچ جدید شاعر"، کراچی، فضلی سنز، نومبر ۱۹۹۴ء، ص: ۲۵۳

۲۔ مدنی، عزیز حامد: "آج بازار میں پابہ جولاں چلو"، کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، نومبر ۱۹۸۸ء، اشاعت اول، ص: ۳۰

۳۔ ایضاً ص ۲۱

۴۔ ایضاً،ص:۲۲ اور ۳۱

۵۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر:''فیض احمد فیض: شاعر اور شخص''، کراچی، دانیال، ۱۹۹۹ء، اشاعتِ اول، ص:۸۷

۶۔ زکریا، خواجہ محمد، ڈاکٹر:''چند اہم جدید شاعر''، لاہور، سنگت پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص:۵۳

۷۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۹۸

۸۔ فیض احمد فیض،''نسخہ ہائے وفا''، لاہور، مکتبہ کارواں، س۔ن، ص:۱۲۴

۹۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۹۹

۱۰۔ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر،''ادبی تنقید اور اسلوبیات''، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۱۷۸

۱۱۔ فارغ بخاری:''فیض کی باتیں۔فیض کی شاعری''، مشمولہ''فیض احمد فیض: تنقیدی جائزہ''، مرتبہ: خلیق انجم، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۱ء، ص:۱۰۰

۱۲۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۶۶

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۳۰

۱۴۔ بحوالہ فیض، احمد فیض:''مہ و سال آشنائی''، کراچی، دانیال، ۱۹۸۳ء، اشاعت دوم، ص:۷۷

۱۵۔ فیض، احمد فیض:''نسخہ ہائے وفا''، ص:۵۴۲

۱۶۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۱۱۵تا۱۱۶

۱۷۔ آزاد، ابوالکلام، مولانا:''غبارِ خاطر''، لاہور، مکتبہ جمال، ۲۰۰۴ء، ص:۹۴

۱۸۔ بحوالہ قمر رئیس:''فیض کی قید و بند کی شاعری کے تناظرات''، مشمولہ''فیض کی شاعری کا نیا دور''، مرتبہ: عبدالرؤف ملک، لاہور، پیپلز پبلشنگ ہاؤس، جنوری ۱۹۸۸ء، اشاعت اول، ص:۱۱۲

۱۹۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۵۶ تا ۵۷

۲۰۔ ایضاً، ص:۵۴

۲۱۔ بحوالہ قمر رئیس:''معاصر اُردو غزل'' دہلی، اُردو اکادمی، ۱۹۹۴ء، ص:۲۹۴

۲۲۔ بحوالہ ایڈمنڈ ولسن:''علامتی اظہار''، مترجمین: منظور الحق، سہیل صفدر، مشمولہ:''نئی تنقید''، مرتبہ: صدیق کلیم، لاہور، سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج، ۱۹۶۹ء، ص:۱۶۳

۲۳۔ سجاد حارث:''ادب اور ریڈیکل جدیدیت''، لاہور، نگارشات، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴۹ تا ۱۵۰

۲۴۔ مدنی، عزیز حامد:''آج بازار میں پابہ جولاں چلو''، ص:۹